© rasailojaraid.com

پروفیسر غلام رسول عدیم

انڈین نیشنل کانگریس

پس منظر

برصغیر کے عوام میں 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد جو دل شکستگی پیدا ہو گئی تھی، اس کا مادہ اندر ہی اندر پکتا رہا مگر تادیر اس کے نکاس کی کی راہ نہیں سوجھتی تھی۔ سیاسی بیداری تو دور کی بات تھی، عوام کو اپنے حقوق کی بازیافت کا بھی احساس نہ تھا۔ یہ کام کارکنان قضاوقدر نے اس ملک کے حکمران طبقے کے ایک روشن خیال فرد سے انجام دلایا ع عدوے شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد۔ برطانوی حکومت کی سول سروس کے ایک ریٹائرڈ افسر مسٹر ایلن آکٹیوین ہیوم Allan Octavian Hume کو خیال آیا کہ کوئی ایسا ادارہ قائم کیا جائے جس کے ذریعے برصغیر کے عوام اپنے جذبات کا اظہار کر سکیں۔ رنگ اور نسل کی تفریق سے بالاتر ہو کر انگریزی دان افراد حکومت کی وفاداری کا دم بھرتے ہوئے عوام کی سماجی اور معاشی ترقی کے لیے کام کریں اور اس ضمن میں حکومت کو مفید مشورے دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس حقیقت کو سمجھ رہا تھا کہ حکومت رعایا کے معاشرتی اور معاشی حقوق کا صحیح طور پر تحفظ کرنے میں ناکام رہی ہے اور جابرانہ حکومت تادیر نہیں چل سکتی۔ جب تعلیم یافتہ وفادار طبقے کی طرف سے تجاویز آئیں گی تو حکومت کے لیے کار فرمانروائی آسان ہو جائے گا۔ 1883ء میں کلکتہ یونیورسٹی کے پچاس سرکردہ گریجویٹ افراد کے نام مراسلے لکھے جن کا مثبت جواب ملا۔ بعد ازاں اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے اس وقت وائسرائے لارڈ ڈفرن Lord Differn (آٹھواں وائسرائے) (1888ء--1884ء) سے منظوری حاصل کر لی۔ حکومت کو اعتماد میں لے کر مسٹر ہیوم نے اپنے منصوبے پر کام شروع کر دیا۔ اس نے اس رابطہ مہم میں اس بات پر زور دیا کہ حکومت پر تنقید اور گلہ مندی کا انداز چھوڑ کر سامنے آئیں اور قومی تعمیر کا کام خود سنبھالیں۔

قیام

28 دسمبر 1885ء کو انڈین نیشنل کانگریس کا پہلا اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا۔ ایک اینگلو انڈین (دیسی عیسائی) مسٹر ڈبلیو سی بیزجی نے اس کی صدارت کی۔ اس نے اس اجلاس میں انگریزی راج کی برکات ... اور حکومت کی بے حد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعریف کی۔ حکومت کی تعلیمی پالیسی اور عمدہ فرمانروائی (Orderly Government) کو سراہا اور خصوصی طور پر اس امر کا اظہار کیا کہ کانگریس کے ممبر حکومت برطانیہ کے وفادار رہیں گے۔

مقاصد

(1) برصغیر کی ساری آبادی کو ایک متحد قومیت میں منسلک کر دیا جائے۔ (2) ملکی حکومت سے زیادہ سے زیادہ اختیارات حاصل کیے جائیں۔ یوں خود اختیاری حاصل کر کے پوری وفاداری کے ساتھ ملکی تعمیر کی جائے۔ (3) حب الوطنی کے جذبات پیدا کر کے ہر طرح کے نسلی، فرقہ وارانہ اور صوبائی تعصبات کا خاتمہ کر دیا جائے۔ (4) معاشرتی، اخلاقی اور سیاسی میدان میں عوام کی تربیت اور تعمیر نو کی جائے۔ (5) حکومت کی طرف سے عوام پر ہونے والی نا انصافیوں کا اتحاد اور وفاداری کو قائم رکھتے ہوئے ازالہ کیا جائے۔ (6) ان وسائل وذرائع کا تعین کیا جائے جن سے عوام کو مفاد حاصل ہو۔

اس تنظیم کو لارڈ ڈفرن کی سرپرستی حاصل تھی اور تہہ میں غایت یہ کارفرما تھی کہ حکومت کو ہندوستانیوں کے جذبات سے آگاہی ہوتی رہے۔ لارڈ ڈفرن نے کلکتہ میں کانگریس کے مندوبین کو 1886ء میں گارڈن پارٹی دی۔

ابتداء میں انگریزی اقتدار کے گماشتے ہی اس پر چھائے ہوتے تھے۔ جارج یول (George Yule)، سر ڈبلیو ڈبلیو ویڈر برن (Sir W. W. Wedderburn) کانگریس کے صدر منتخب ہوئے۔ بریڈ لا (Breadlaugh) نامی انتہا پسند انگریز سیاسی کارکن کانگریس کا بڑا سرگرم رکن تھا۔ چونکہ یہ تنظیم ہندوستانیوں کے مفادات کے تحفظ کی نمائندہ جماعت کے طور پر سامنے آئی تھی، لہٰذا اس کے مطالبات میں اہمیت کے حامل یہ تھے:

(i) ملک میں پارلیمانی جمہوریت کا نفاذ ہو مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا کہ یہ مطالبہ حکومت سے وفاداری سے متصادم نہیں ہے۔

(ii) ہر قسم کی سرکاری ملازمت کے لیے مقابلے کے امتحانات برصغیر اور انگلستان میں بیک وقت منعقد کرائے جائیں۔ اس کے بغیر سرکاری ملازمت نہ دی جائے (یہ مطالبہ مسلمانوں کے خلاف تھا کیونکہ وہ ابھی تعلیمی میدان میں بہت پیچھے تھے)

(iii) مرکزی اور صوبائی کونسلوں میں اراکین کا انتخاب الیکشن کے اصول پر کیا جائے۔

(iv) کونسل ہند کو توڑ [illegible] قانون ساز کونسلوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصلاح کر کے ان میں توسیع کی جائے۔

(v) فوجی اخراجات میں کمی کی جائے اور آرمز ایکٹ ختم کیا جائے۔

(vi) کونسل کے ارکان نامزد کرنے کے بجائے کم از کم نصف تعداد منتخب نمائندوں پر مشتمل ہو۔

ابتدا میں حکومت کا رویہ کانگریس کے لیے سرپرستانہ تھا مگر حالات کے دھارے کے ساتھ ساتھ مقاصد کی جہتیں بدلتی چلی گئیں تاآنکہ حکومت کو اپنے رویے میں خاصی تبدیلی کرنا پڑی۔

لارڈ لینس ڈاؤن Lord Lansdowne (1894ء--1888ء) کے عہد میں 1890ء کے اجلاس میں سرکاری ملازمین کی شرکت پر پابندی لگا دی گئی تاہم لارڈ کرزن Lord Curzon (1905ء--1899ء) کے دور تک کانگریس کا پہلا 20 سالہ دور معتدلانہ اور آئینی ذرائع استعمال کرنے کا دور تھا۔ کانگریس اپنی اعتدال پسندی کی وجہ سے سمجھتی تھی کہ اسے حکومت کی تائید حاصل ہے یا کم از کم آزاد خیال انگریز طبقہ ان کا ہم نوا ہے۔ اجلاس گاہ گاہ ہوتے' قراردادیں پاس ہوتیں اور برطانوی ہاؤس آف کامنز کو ارسال کی جاتی تھیں۔

کانگریس کا دوسرا مرحلہ (1906ء تا 1918ء)

کانگرس ابتدا میں بلاشبہ سماجی و معاشی بیداری کا پیغام لے کر اٹھی مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا اس کا برصغیر کی واحد نمائندہ جماعت ہونے کا دعویٰ بے بنیاد ثابت ہونے لگا۔ کانگریس نے برطانوی حکومت کو باور کرانے کی بھرپور کوشش کی کہ یہ ہندوستانیوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے مگر جب اس میں متعصب اور زہرناک طریقے سے فرقہ وارانہ خیالات کے حامل ہندو شامل ہوئے تو صاف نظر آنے لگا کہ یہ صرف ہندوؤں کے مفادات کی محافظ جماعت ہے۔ مطالبات کی تہہ میں مسلمان دشمنی اور تحقیر صاف نمایاں تھی۔ مثلاً" جب مطالبہ کیا گیا کہ بجز چپڑاسی کی آسامی کے سب ملازمتیں مقابلے کے امتحان سے دی جائیں تو درپردہ مسلمانوں کو ملازمتوں سے باہر رکھنا مطلوب تھا کیونکہ پسے ہوئے مجبور مسلمانوں کی اکثریت جدید تعلیم سے بے بہرہ تھی۔ یوں ان پر ملازمتوں کے دروازے بند کرنے کا اہتمام کیا جا رہا تھا۔ جب یہ مطالبہ دہرایا جاتا کہ گورنر جنرل اور صوبائی کونسلوں میں نامزدگی ختم کر کے انتخابی طریقہ اختیار کیا جائے ... تھا کہ اکثریتی گروہ منتخب ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر کونسلوں میں آ جائے اور اقلیتیں خواہ وہ کتنی ہی کثرت کی حامل کیوں نہ ہوں، منہ دیکھتی رہ جائیں۔ صریحاً یہ عواقب نظر آ رہے تھے کہ یہ جماعت ہندوؤں کی نمائندہ جماعت ہے۔

انہی حالات کے پیش نظر کانگریس کے ابتدائی مرحلے میں سر سید احمد خان جیسے دوربین نگاہ رکھنے والے لیڈر نے مسلمانوں کو کانگریس میں شمولیت سے منع کیا بلکہ ان کا نقطہ نگاہ تو یہ تھا کہ سیاست میں سردست حصہ نہ لیا جائے۔ تعلیم و تربیت، معاشرت اور دین واخلاق کے استحکام کے بعد جب مسلمان قوم اپنی شناخت کروا سکے اور اس کا تشخص نمایاں ہو جائے تو پھر سیاست ملکی میں حصہ لیا جائے۔ سر سید نے ایسی نمائندہ حکومت کی سختی سے مخالفت کی جس کی بنیاد ووٹوں پر ہو۔ دلیل یہ تھی کہ یہ نظام صرف ایسے ملک میں قابل عمل ہو سکتا ہے جہاں ایک قوم آباد ہو۔ ہندوستان میں چونکہ مختلف اقوام بستی ہیں اس لیے اس جمہوری طرز سے صرف اکثریتی گروہ ہی ہر طرف دندناتا پھرے گا اور سیاسی اور سرکاری کرسیوں پر بیٹھ کر اپنی من مانی کرے گا۔ سر سید کی یہ سوچ بالکل مثبت اور حکیمانہ تھی۔

کانگریس کے بعض ہندو لیڈروں نے بے حد تعصب سے کام لے کر کانگریس کو صرف ہندوؤں کی جماعت بنا کر رکھ دیا۔ مسلمان اگر برائے نام اس میں تھے بھی تو وہ محض تماشائی تھے۔ بال گنگا دھر تلک جو کانگریس کا بڑا سرگرم رکن تھا، مسلمانوں کو علانیہ ہندوؤں کا دشمن کہتا تھا۔ دیانند سرسوتی نے آریہ سماج کی بنیاد رکھ کر اسلام اور مسلمان دشمنی کی انتہا کر دی۔ بظاہر وہ مجلسی اصلاحات کی جماعت تھی مگر اس کی کتاب "ستیارتھ پرکاش" نے اس کے اندر کے زہر سے پوری فضا کو مسموم کر دیا۔ لالہ لاجپت رائے ایک کٹر ہندو تھا جو مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ بی سی پال بھی کانگریس کے کرتا دھرتا لوگوں میں تھا اور مسلمانوں کا سخت معاند تھا۔ ان تفرقہ پرداز اور تعصب کا شکار ہندوؤں کی وجہ سے کانگریس کی اعتدال پسندانہ پالیسیاں ختم ہو گئیں۔ اس کے پہلے 20 سالہ دور میں جو طرز و روش اپنائی گئی اس کے نتیجے کے طور پر 1906ء میں مسلمانوں کی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ معرض وجود میں آئی۔

اب ہندوستان کے سیاسی افق پر دو سیاسی پارٹیاں ابھر کر سامنے آ گئیں جن کے مفادات، اغراض، تہذیبی داعیے اور تمدنی آثار صرف مختلف ہی نہ تھے، ایک دوسرے سے متصادم تھے۔ اغراض و مفادات کا پہلا زبردست مظاہرہ اس وقت سامنے آیا جب بنگال جیسے وسیع صوبے کو حکومت نے انتظامی ضرورت کے تحت تقسیم کیا۔ چونکہ اس سے کلکتہ کے غیر حاضر زمینداروں کے مفادات پر زد پڑی اور مشرقی بنگال کے مسلمان کو سکھ کا سانس لینا نصیب ہوا اس پر کانگریس نے [illegible] پورے علاقے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں کے خلاف اشتعال کی فضا پیدا کر دی۔ رد عمل کے طور پر تقسیم بنگال کے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ سریندر ناتھ بیزجی نے کلکتہ کے طلبہ کو مشتعل کر کے ایک زبردست تحریک چلا دی۔ ڈھنڈورا یہ پیٹا گیا کہ بنگال کی وحدت کو پارہ پارہ کیا جا رہا ہے اور نتیجتاً بنگالی قومیت ختم کی جا رہی ہے۔ بنگالی قوم کا شیرازہ بکھر کر کھا گیا ہے۔ بندے ماترم کا گیت اس تحریک میں روح پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ سودیشی تحریک چلا کر غیر ملکی مال تجارت کا مقاطعہ کیا گیا۔ ارابندہ گھوش Arabinda Ghose نے کئی مضامین لکھ کر اس تحریک کو ہوا دی۔ کانگریس نے بنگال کی تنسیخ اور سودیشی تحریک کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا جس سے بالکل واضح ہو گیا کہ یہ ہندوؤں کے مفادات کا تحفظ کر رہی ہے۔

1906ء میں کانگریس کے صدر داوا بھائے نوروجی نے اپنے صدارتی خطبے میں سوراج کا لفظ استعمال کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستانیوں کو انگریزوں سے حکومت خود اختیاری کے کامل اختیارات کے حصول کو اپنا مقصد بنا لینا چاہیے۔ کانگریس کو ایک نیا نعرہ ہاتھ آ گیا۔

سوال یہ تھا کہ حکومت خود اختیاری Slef Government کن ذرائع سے حاصل ہو؟ کیا اس کے لیے آئینی جدوجہد عرضداشتیں بھیج بھیج کر حکومت برطانیہ کو اصلاحات عطا کرنے پر آمادہ کیا جائے یا تشدد کی راہ اختیار کی جائے۔ اب کانگریس میں دو طرح کی ذہنیتیں کام کرنے لگیں۔ ایک طرف اعتدال پسند گروہ تھا جس میں داوا بھائے' نوروجی' چتامنی اور کئی دوسرے راہنما شامل تھے۔ یہ لوگ آئینی طریقہ کے حامی تھے اور اس پر زور دیتے تھے مگر دوسری طرف انتہا پسند اور سخت متعصب ہندو راہنما تھے جو دہشت گردی' مقاطعہ' عدم تعاون اور مار دھاڑ کے قائل تھے۔ ارابندہ گھوش' بی پی پال' لاجپت رائے' بی جی تلک' سریندر ناتھ بیزجی اور کئی دوسرے ہندو راہنما سوراج پر زور دیتے اور اس کے لیے انتہا پسندانہ رویہ اختیار کرنے کو مناسب سمجھتے۔ آئینی اور اخلاقی انکساریاں اور عرضداشتیں بھیج بھیج کر انتظار کشی کا طریقہ ان کے ہاں بے کار تھا۔

1906ء اور 1907ء میں ان دونوں میں رسہ کشی شروع ہو گئی کہ کانگریس پر کون قبضہ جمائے۔ 1907ء میں سورت کے جلسے میں پنڈت مدن موہن مالویہ کی صدارت میں انتہا پسند گروہ کے بال گنگا دھر تلک اور اس کے حامیوں نے زبردستی سٹیج پر قبضہ کر کے سوراوہ' سودیشی تحریک' قومی تعلیم اور انگریزی مال کے مقاطعہ کے لیے تقریریں کرنا چاہیں۔ صدر نے ہلڑ بازی اور جذباتی تقریروں کی اجازت نہ دی' اس پر ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ہجوم ہلڑ بازی کی نذر ہو کر منتشر ہو گیا۔ اس کے بعد کانگریس ... اختیار کر لی۔ جب مسلمانوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے ہندو تغلب کو کانگریس پر چھایا ہوا دیکھا اور پھر کانگریس کے شورش انگیز دھڑے کو مسلط پایا تو وہ بھی دور ہٹ گئے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ اب کانگریس انتہا پسند متعصب رہنماؤں کے ہاتھ میں کھلونا بن گئی۔ ادھر برطانیہ کی لبرل پارٹی اور لارڈ منٹو Lord Minto (1905ء--1910ء) نے منٹو مارلے اصلاحات کا لالچ دے کر ہندوؤں کی شورش کو فرو کرنا چاہا۔ مسلم لیگ کے 70 نمائندوں کی کوششوں سے شملہ وفد میں مسلمانوں کو جداگانہ انتخابات کی یقین دہانی کرائی گئی۔ اس کے نتیجے میں منٹو مارلے اصلاحات میں مسلم لیگ کے زیر قیادت جداگانہ انتخاب کا اصول منوانے میں کامیاب ہو گئی اس لیے کانگریس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس کی دہشت پسندانہ سرگرمیاں اور جذباتی نعرہ زنیاں اور بڑھ گئیں۔ انگریز حکمرانوں نے فضا کو (بزعم خویش) سازگار کرنے کے لیے دسمبر 1911ء میں بنگال کی تقسیم کی تنسیخ کر دی اور مشرقی بنگال اور مغربی بنگال کو پھر سے ضم کر دیا۔

1912ء میں مسلم لیگ اور کانگریس ایک دوسرے سے قریب آنے لگیں۔ دونوں کا وسیع تر مقصد (باوجود کئی اختلافی صورتوں کے) اور سیاسی نصب العین ذمہ دارانہ حکومت کا حصول تھا۔ دونوں کا طریقہ کار بھی کم وبیش ایک جیسا تھا۔ بنگال کی تقسیم کی تنسیخ سے مسلمان انگریز سے برہم تھے۔ اب ہندو مسلم اتحاد کی کوششیں ہونے لگیں۔

1916ء میں میثاق لکھنؤ کے تحت کانگریس اور مسلم لیگ کی بہت حد تک مفاہمت ہو گئی۔ قائد اعظم محمد علی جناحؒ اور راجہ صاحب محمود آباد نے اس کے لیے بہت محنت کی۔ آزادی وطن، یک جہتی، ہندو مسلم اتحاد سے مفاہمت کا فارمولا سامنے آیا۔ کانگریس نے اس موقع پر جداگانہ انتخاب Separate Electorate کا اصول تسلیم کر لیا۔ اقلیت والے صوبوں میں مسلمانوں کو قانون ساز اسمبلیوں میں تناسب سے زیادہ نشستیں دی گئیں۔ اسے فالتو نیابت کا نام دیا گیا۔ بنگال اور پنجاب میں جہاں مسلمانوں کی بھاری اکثریت تھی، غیر مسلم اقلیت کو چند نشستیں دی گئیں۔ یہ بھی طے پایا کہ آئندہ نافذ ہونے والی اصلاحات کو مسلم لیگ یا کانگریس کے 3/4 نمائندے رد کر سکیں گے۔ میثاق لکھنؤ نے ثابت کر دیا کہ کانگریس ہندو مسلمانوں کو اب ایک علیحدہ قوم تسلیم کر چکے ہیں۔

ہوم رول لیگ

میثاق لکھنؤ کے جلد ہی بعد 1917ء میں بال گنگا دھر تلک اور مسز بیسنٹ نے ہوم رول Home Rule کی تحریک شروع کی۔ یہ تحریک بڑے زور شور سے اٹھی۔ اس کی مقبولیت کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وجہ سے حکومت نے اگست 1917ء میں اعلان جاری کیا کہ جلد اصلاحات نافذ کی جائیں گی اور اہل ہند کو ذمہ دارانہ حکومت realisation of Responsible Government کے دلفریب اور حسین لفظوں کا جھانسہ دیا گیا اور یہ نہ بتایا گیا کہ یہ حکومت Progressive کتنے عرصے میں ملے گی۔ اس حکومت مخالف فضا میں کانگریس کا دوسرا دور ختم ہوا۔

کانگریس کا تیسرا مرحلہ (1919ء--1947ء)

1919ء میں حکومت نے ایک جج رولٹ Roulatt سے ایک مسودہ قانون تیار کروایا اور اسے نافذ کر دیا جس کی رو سے شورش پسندوں کے ساتھ سختی سے نپٹنا قرار پایا۔ اس سخت اور تشدد پسندانہ کے خلاف موہن داس کرم چند گاندھی نے زور دار کردار ادا کیا اور 6 اپریل 1919ء کو ستیہ گرہ کی تحریک شروع کی۔ ہڑتالیں ہوئیں' حکومتی مشینری ناکارہ کر کے رکھ دی گئی تاہم اہنسا (عدم تشدد) کی پالیسی قائم رکھی گئی۔ ساتھ ہی سول نافرمانی بھی جاری رہی۔

رولٹ ایکٹ کے ذریعے کسی بھی شخص کو محض شبے کی بنا پر جیل میں ٹھونسا جا سکتا تھا۔ قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے مرکزی کونسل کے اجلاس میں اس بل پر بحث کرتے ہوئے جو الفاظ کہے وہ قابل دید بھی ہیں اور قابل داد بھی۔ انہوں نے کہا "میرا فرض ہے کہ میں حکومت کو آگاہ کر دوں کہ اگر یہ قانون پاس ہو گیا تو آپ کے اس فعل سے تمام ملک میں ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک ایسی خطرناک شورش اور بد امنی پھیل جائے گی جس کی مثال آپ نے آج تک نہیں دیکھی ہو گی اور یقین کیجئے کہ یہ شورش ان خوشگوار تعلقات کو تباہ کر دے گی جو اس وقت حکومت اور عوام کے درمیان ہیں" یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ثابت ہوئی۔ ہنگامے' جلوس' ہڑتالوں' پولیس فائرنگ' شورشوں اور بد امنی کی فضا پورے ملک پر چھا گئی۔

اگرچہ ستیہ گرہ کی تحریک میں عدم تشدد کی راہ اپنانے کی تلقین کی گئی تھی مگر دہلی بمبئی اور احمد آباد میں ہڑتالی تشدد پر اتر آئے۔ امرتسر میں 5 انگریزوں کو قتل کر دیا گیا۔ ایک سفید فام عورت کی بے حرمتی کی گئی۔ ریلوے اسٹیشن' تار گھر اور بہت سی سرکاری عمارتیں تباہ کر دی گئیں۔ شہر میں دفعہ 144 نافذ کر دی گئی۔ گورنر سر مائیکل اڈوائر اور امرتسر میں مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ڈائر نے سرکوبی کا تہیہ کر لیا تھا۔

13 اپریل کو بیساکھی کے میلے میں جلسہ کرنے کی مخالفت کرنے پر جلیانوالہ باغ میں 379 افراد کو گولیوں [illegible] مقدس مقامات کی حفاظت اور اسلامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلافت کی بقا کے لیے تحریک خلافت کا آغاز کیا۔ مولانا جوہر کی سرکردگی میں وفد انگلستان گیا کہ اپنا موقف بیان کرے مگر وفد ناکام ہوا۔ اس کی 1920ء میں واپسی پر تحریک عدم تعاون چلی۔ کانگریس بھی اس میں شامل ہو گئی۔ 2 سال تک تحریک چلی مگر بعد میں مہاتما گاندھی نے چورا چوری کے پولیس اسٹیشن کے واقعہ کو بنیاد بنا کر تحریک ختم کر دی۔ اب کانگریس اور لیگ میں فاصلے بڑھنے لگے۔ کانگریس کے ساتھ ساتھ ہندو مہا سبھا (پنڈت مدن موہن مالویہ) شدھی (سوامی شردھانند) سنگٹھن (ڈاکٹر مونجے) اور دوسری فرقہ وارانہ تنظیمیں بھی میدان میں اتر آئیں۔ ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے اور کشیدگی میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔

1927ء میں مرکزی اسمبلی کے کانگریسی ہندو ارکان نے دہلی مسلم تجاویز کے رد عمل کے طور پر جوابی تجاویز پیش کیں: (1) ہر جگہ مخلوط طرز انتخاب جاری کیا جائے (جداگانہ انتخاب کا مسئلہ نہ چھیڑا جائے) (2) ہر جگہ بلحاظ آبادی نشستیں مقرر کی جائیں (اقلیتوں کی رعایت ختم کی جائے) (3) آئین میں مذہبی آزادی کی ضمانت دی جائے۔ (4) صوبوں کی تشکیل نو کو فی الحال ملتوی کر دیا جائے یعنی سندھ کی علیحدگی کے مسئلے کو نہ چھیڑا جائے۔

12 فروری 1928ء کو آئین سازی کے لیے آل پارٹیز کانفرنس منعقد ہوئی مگر ہندو مہا سبھا کے تعصب کی وجہ سے کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ کانگریس نے بحث ٹالنے کے لیے دو سب کمیٹیاں بنا دیں۔ ایک کا مطلب تھا کہ سندھ کی علیحدگی کا جائزہ لیا جائے۔ دوسری کا مقصد یہ تھا کہ بجائے جداگانہ انتخاب کے آبادی کے تناسب سے نمائندگی (Proportional Representation) کا اصول اپنایا جائے۔ پنڈت موتی لال نہرو کی سرکردگی میں 11 ممبروں پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جسے نہرو کمیٹی کا نام دیا گیا۔ اس نے 3 ماہ میں نہرو رپورٹ پیش کی۔ جداگانہ انتخاب کا طریقہ ختم کر دیا گیا۔ آبادی کے تناسب سے نمائندگی کا اصول اپنایا گیا اور یوں مسلمانوں کو دبانے کی ہر کوشش کی گئی۔ میثاق لکھنؤ اور تجاویز دہلی کی دھجیاں بکھیر دی گئیں۔ اس کے رد عمل کے طور پر جناح کے چودہ نکات سامنے آئے۔

کانگریس راج کی ایک جھلک

1935ء میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ دیا گیا' اس میں صوبائی حصے کو نظر انداز کر دیا گیا۔ کانگریس نے 1937ء کے الیکشن کے لیے جو منشور دیا اس میں ہندی زبان کو قومی زبان بنانے اور مخلوط انتخاب ... 5 صوبوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کانگریس جیت گئی۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے پورے تبختر سے کہا "آج ہندوستان میں دو فریق ہیں یعنی کانگریس اور برطانوی حکومت۔ باقی جتنی جماعتیں ہیں ان کو کانگریس کے پیچھے چلنا ہوگا یا برطانوی حکومت کا ساتھ دینا ہوگا" اس موقع پر قائد اعظمؒ نے تردیداً کہا "ہندوستان میں ایک تیسرا فریق بھی ہے اور وہ مسلمان ہیں" کانگریسی لیڈر طاقت کے نشے میں چور تھے انہوں نے مخلوط حکومت سے انکار کر دیا۔ مختلف صوبوں میں مسلم لیگ کے خلاف سازشیں کر کے کئی وزارتیں توڑ دی گئیں۔ مسلم اقلیت کو کانگریس میں مدغم کرنے کی غرض سے مسلم رابطہ عوام کی مہم کا آغاز کیا گیا۔ کانگریسی وزارتوں نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے کی ٹھان لی۔ فرقہ وارانہ فسادات ہوئے۔ مسلمانوں کی دینی حمیت کو للکارا جاتا۔ تمام سرکاری عمارتوں پر کانگریس کا ترنگا جھنڈا لہرایا جاتا۔ تعلیمی اداروں میں بندے ماترم کا زہرناک ترانہ گایا جاتا۔ نماز کے اوقات میں مسجدوں کے سامنے باجے بجائے جاتے۔ واردھا سکیم اور ودیا مندر سکیم سے مسلمان بچوں کو پوری طرح ہندوانہ رنگ میں رنگ دینے کی کوشش کی جاتی۔ گائے کا ذبیحہ ممنوع قرار دیا گیا۔ گاندھی کی تصویر سرکاری دفاتر میں آویزاں کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ ملازمتوں سے مسلمانوں کی محرومی اور اقتصادی پریشانی نے مسلمانوں کی ناک میں دم کر دیا۔

1939ء میں دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی۔ کانگریسی وزارتیں ٹوٹیں تو مسلمانوں نے 22 دسمبر 1939ء کو یوم نجات منایا۔ اس دو اڑھائی سالہ دور میں رام راج کا پورا نقشہ سامنے آ گیا۔

1940ء میں قرارداد لاہور پر کانگریس کا رد عمل بڑا شدید تھا۔ ہندوستان کی تقسیم کو گاندھی جی نے ایک اخلاقی پاپ قرار دیا۔ راج گوپال اچاریہ نے اسے گائے کے دو ٹکڑے کرنے سے تعبیر کیا۔ جنگ میں برطانی حکومت کی خراب صورت حال پر لارڈ لنلتھگو Lord Linlithgo (1936ء–1943ء) نے وائسرائے کی انتظامی کونسل میں توسیع' دفاعی مشاورتی کونسل اور آئین سازی کے نمائندہ ادارہ قائم کرنے کا اعلان کیا۔ کانگریس نے اس پر شدید غم وغصے کا اظہار کیا۔ کانگریس نے اب سول نافرمانی تحریک پورے زور سے جاری کر دی۔ ہندوستان چھوڑ دو Quit India کی تحریک چلائی گئی۔ 1942ء تا 1945ء کانگریس کو خلاف قانون قرار دیا گیا۔ 1945ء کے انتخاب میں مرکز اور صوبوں میں مسلم لیگ کو خاصی کامیابی ہوئی۔

© rasailojaraid.com